Vol.4 No.4 2021

ISSN Online: 2709-7625

ISSN Print: 2709-7617

دکنی اُردو غزل میں مسلم تہذیب وثقافت (کلاسیکی عہد)

Muslim civilization and culture in Deccani Urdu Ghazal (Classical era)

*ڈاکٹر محمد اعجاز تبسم

Abstract

The Kings of Southern Hind have played a vital role to highlight the image and growth of Urdu Ghazal. In the poetry of قاضی محمود بحری، ولی دکنی، قلی قطب شاہ، حسن شوقی، نصرتی، عراقی، فخری، فیض دکنی، سراج اورنگ آبادی *and* شاہ تراب علی*, the Islamic culture, civilization, social values and traditions are describing aptly and artistically.* برہان الدین جانم، شاہ داول، امین الدین اعلیٰ *and other poets further beautified and consolidated the image of Urdu Ghazal. The poetry of Hassan Shoqi reflects Muslims civilization and religion as well as the freedom and harmony was the dominating factor in the said poetry. In this essay, Dr. Muhammad Ijaz Tabassam has discussed the ideological and cultural background of* سراج، ولی دکنی، قلی قطب شاہ *and* شاہ تراب علی*. has also expressed the impact of Islamic civilization on Dakni Urdu Ghazal. In the poetry of* قلی قطب شاہ *the religious metaphors of Quran, Paradise and Hur as described in the Islamic Civilization given their readers a beautiful environment of intellectual maturity. The Ghazal of* ولی دکنی *also reflects the Islamic culture and ideology with the special references of religious terminology of Sufism, Quranic verses and Holy Prophet. The background of his poetry is based upon Muslim civilization and religious thoughts. He, on every step, seems to represent Islamic values, civilization and social norms. The poetry of Southern Part of Hind is found with deep and strong colours of cultural tradition and religion concepts. All poets of Southern Hind without any exception of Hindus or Muslims being their praise with Allah, devotion to Prophet (PBUH) and his family, dignity of his companions as well as the admiration in the honour of kings of the time.*

Keywords: *Kings of Southern, terminology, social values, Muslims civilization, intellectual maturity, social norms, devotion,*

جنوبی ہند کے سلاطین (بالخصوص تین مسلم ریاستیں: بہمنی سلطنت، قطب شاہی، عادل شاہی) کی ادب نواز پالیسیوں نے اُردو زبان و ادب کی ترویج و ترقی میں اپنا بہترین کردار ادا کیا۔ ان تینوں ریاستوں نے اُردو زبان کے لیے جو ناقابلِ فراموش خدمات سر انجام دیں وہ اُردو ادب کی تاریخ میں جلی حروف سے لکھے جانے کے قابل ہیں۔

اگر ہم تاریخ کے اوراقِ پارینہ کی ورق گردانی کریں تو سرزمینِ ہند پر مسلمانوں کا ورود و نزول تین مختلف اشکال میں ہوا۔

۱۔ تجارت کی غرض سے

۲۔ مبلغین اسلام کی صورت میں

۳۔ مجاہدین (اسلامی ریاست کی توسیع و فروغ کے لیے حملہ آوروں کی صورت میں وارد ہوئے)

ساحلِ سمندر کے ساتھ اور جنوبی ہند میں آہستہ آہستہ کالی کٹ، مالابار، کارومنڈل اور دیگر بندر گاہوں پر انھوں نے اپنی چھوٹی چھوٹی بستیاں بسالیں اور ان کا یہاں کے لوگوں سے میل جول بڑھا، شادیاں کیں، ہندستانی طور طریقے اپنائے، جس سے مذہبی اقدار اور سماجی روایات کو مزید تقویت ملی، علاوہ ازیں سلاطین دہلی کے دور میں شمالی ہند سے جنوبی ہند میں بہمنی عہدِ سلطنت کے دوران ان کے تہذیبی اثرات منتقل ہوئے۔ دکن کے لسانی و ادبی اور تہذیبی و سماجی مظاہر کے خارج و باطن پر اسلامی تعلیمات اور مسلم تہذیب و ثقافت کے اثرات واضح طور پر دیکھے جاسکتے ہیں۔ آگے چل کر قطب شاہی اور عادل شاہی حکومتوں کے زیر سایہ ان کو مزید عروج حاصل ہوا۔ ان اثرات میں مذہبی فضا بھی شامل تھی لہٰذا ابتدائی عہد کی اُردو غزل پر تصوف کا رنگ غالب ہے، ناصحانہ انداز اور اخلاقیات کا درس بھی اس میں بدرجہ اتم پایا جاتا ہے۔

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ اُردو، لاہور گیریژن یونیورسٹی، لاہور

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

شمالی ہند سے آئے ان تہذیبی و فکری رجحانات کو سمونے کے لیے دکن کی بنجر سرزمین کی ادبی فضا اب سازگار ہو چکی ہے۔ یہ اسلامی تہذیب وافکار کو اپنے اندر مدغم کرنے کی بے پناہ صلاحیت رکھتی ہے اور اب وہ بیک وقت ہندی، مقامی تہذیب، اور عرب ایرانی تہذیب کے تصورات کو ادا کرنے کے لیے تیار ہے۔ اس ضمن میں صوفیائے کرام اور مبلغین اسلام نے اپنا اہم کردار ادا کیا۔ شمالی ہند سے جنوبی ہند میں اسماعیلی عقاید پہنچنا فطری امر ہے لہٰذا اس تاریخی صورتِ حال کو سعد اللہ کلیم یوں واضح کرتے ہیں:

"یہ تو ایک تاریخی حقیقت ہے کہ اسلامی تہذیب وافکار جو مسلمانوں کے ساتھ گجرات اور دکن میں داخل ہوئے ان میں اسماعیلی عقیدہ رکھنے والے مبلغین اسلام کا ایک سلسلہ زمانوی اعتبار سے مقدم ہے۔ اس کے بعد مسلمان صوفیا اہم ہیں۔ جنوبی ہند کے ساحلی علاقوں سے یہ روشنی شمال سے پہنچنے والے علما و صوفیا سے پہلے بھی اپنا عمل شروع کر چکی تھی اور اس طرح دکن کی مجموعی فضا اسلامی صوفیانہ رجحانات کو مقبول کرنے کے لیے پہلے سے تیار تھی۔ مسلمانوں کے آنے کے بعد ابتدائی زمانے میں اگر ہم جھانکیں تو سندھ اور گجرات کے تہذیبی و فکری میلانات میں بڑی مماثلت موجود رہی ہے۔"(1)

بہمنی عہدِ سلطنت میں جنوبی ہند پر مجموعی حوالے سے اسلامی تہذیب کے اثرات سست روی کے ساتھ سہی مگر یہاں کے تہذیبی رویوں پر غالب آ رہے ہیں۔ اگرچہ ابتداً یہاں مجموعی تہذیبی رویوں پر ہندی تہذیب نے اپنا غلبہ جما رکھا ہے، لسانی، ادبی، سماجی اور دیگر معاشرتی مظاہر کا خارجی رنگ بے شک اس سے اثر پذیر ہے لیکن داخلیت پر عرب ایرانی اسلامی اثرات کا عکس جابجا دیکھا جاسکتا ہے۔ اسلامی تہذیب و سماج کی پُر نور فضا آہستہ آہستہ یہاں اپنا رنگ جما رہی ہے۔ بقول سعد اللہ کلیم:

"اُردو غزل کے پس منظر میں جو ہند اسلامی تہذیبی رجحانات کار فرما ہیں ان کے ارتقا کا رُخ بیشتر مقامی ہندی اثرات سے عرب ایرانی اسلامی اثرات کی جانب رہا ہے خود اُردو زبان کا ارتقائی سفر اس کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ تانا شاہ کے دور میں ہم کو ہند اسلامی تہذیبی دھارے کی فعلیت اسی عنصر کی طلب میں نظر آتی ہے۔ جو اس کے خیال میں توانائی کا سرچشمہ ہے البتہ مقامی ہندی رنگ قدرے پھیکا پڑ رہا ہے اور یہ ایک خاص جہت میں تہذیبی حرکت کا قدرتی نتیجہ تھا۔"(2)

یہ تہذیبی، سماجی اور سیاسی اُتار چڑھاؤ آہستہ آہستہ جنوبی ہند کے فکری سرمائے پر اپنا نقش ثبت کرتا گیا، بعد ازاں شمالی ہند اور جنوبی ہند کے ادغام کا بھی تہذیبی و فکری مینارہ نور قطب شاہی اور عادل شاہی سلاطین کی ادب نواز اسلامی ریاستوں کے توسط سے غزل کے ابتدائی دورِ حسن شوقی اور ان کے معاصرین کے بعد آخر کار ولی کے ذریعے سے پھر شمالی ہند کی جانب جا کر روشن ہوا اور اس طرح اُردو غزل نے اپنا پہلا تہذیبی سفر جنوبی ہند سے شمالی ہند پہنچ کر مکمل کیا اور عہد عالمگیر کے بعد اس میں تغیر رونما ہوا۔ چنانچہ جنوبی ہند پر حملۂ اورنگ زیب عالمگیر (۱۶۸۰ء) کے دوران یہ اثرات نفوذ کر گئے تھے۔

دکنی اُردو غزل میں "مسلم تہذیب و ثقافت" کا بیان اسلامی تاریخ و تہذیب کی روشنی میں، تلمیحات، علائم و رموز، مذہبی استعارے قرآنی آیات، احادیثِ مبارکہ، اللہ کی ربوبیت، محمدؐ کی کاملیت کا تذکرہ، اصحابِ رسولؐ کا تذکرہ، کربلائی واقعات، نماز، اسلامی دنوں کے نام، اسلامی تہذیب سے متعلقہ مذہبی علامات، حب اہل بیت، اسلامی تہذیب و مذہب سے تعلق رکھنے والے نامور کرداروں اور دیگر اسلامی عناصر کی صورت میں ملتا ہے۔

دکنی اُردو غزل میں "مسلم تہذیب و ثقافت" کے عناصر، تلازمات اور اس کے دیگر تہذیبی رویوں کی تلاش میں ہم نے جن شعرا کو بالخصوص اپنے اس مقالے کا موضوع بنایا ہے ان میں بطور خاص حسن شوقی، نصرتی، معظم بیجاپوری، غواصی، فیض دکنی عزلت، ہاشمی بیجاپوری، قلی قطب شاہ، ولی دکنی، محمود بحری، سراج دکنی، داؤد اورنگ آبادی، شاہ قاسم اورنگ آبادی اور شاہ تراب علی وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔

حسن شوقی (۹۴۸ھ / ۱۵۴۱ء سے ۱۰۴۳ھ / ۱۶۳۳ء) کی غزل میں پہلی بار فارسی مشاہیر ادب بالخصوص خسرو، ہلالی، انوری اور عنصری کا تذکرہ ملتا ہے۔ علاوہ ازیں انھوں نے اُردو غزل میں فارسی کا تتبع کیا ہے۔ اس کے یہاں مسلم تہذیب و مذہب سے تلمیحیں، استعارے اور تشبیہیں ملتی ہیں مثلاً داؤدؑ، سلیمانؑ، یوسفؑ، وامق و عذرا، لیلیٰ مجنوں، شیریں فرہاد، خسرو وغیرہ سب عرب ایرانی ماحول ملتا ہے۔

Vol.4 No.4 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

میں یوسف ثانی تجے سہواً کھیا معذور رکھ   اس سورِ نورانی کنے وہ ماہ منعانی کِدر [3]

تجہ زلف کی زنجیر اہے زدہ داؤدی زبوں   تجہ دھن کے حلقہ کے کنے مہر سلیمانی کِدر [4]

اسلامی تہذیب و تاریخ سے متعلقہ اصطلاحات وعلامات کے علاوہ تصوف ان کا خاص رنگ ہے۔ ان کے کلام میں آزاد خیالی، کشادہ دلی اور باہمی رواداری کا عنصر بھی غالب ہے۔ اس عہد میں برہان الدین جانم، شاہ داول، امین الدین اعلیٰ اور دیگر عارفانہ فکر رکھنے والے شعرا نے اُردو غزل کو استحکام بخشا ہے۔ لہٰذا اب مذہبی صوفیانہ فکر میں ایک توازن ملتا ہے۔ بعد ازاں شاہی حکومت (۱۶۵۶ء- ۱۶۷۲ء) علی عادل شاہ ثانی اور نصرتی وغیرہ کے یہاں اسلامی مزاج کی بنا پر حضرت علیؓ کی منقبت اور نعت رسول مقبول ملتی ہے۔

قاضی محمود بحریؔ اسلامی مذہبی تاریخ سے حیا کے پیکر تراشتے ہیں اور وفاداریٔ اسلام کے افراد ان کے کلام کی زینت بنتے ہیں۔ مثلاً کربلا اور حسینؓ، عالم گیر، لقمان اور ذوالقرنین جیسے بے مثل اور صداقت سے بھرپور کردار اُن کے ہاں موجود ہیں۔ ان کے دل پذیر اسلامی مذہبی اشارے اور تشبیہیں اپنا ثانی نہیں رکھتیں مثلاً وہ لب کو لقمان اور محبوب کے نینوں کو حضرت سکندر ذوالقرنین سے مشابہ قرار دیتے ہیں۔

کیا بلا مغز میں ہیں تیرے نین   جو رکھے ہیں نظر منے کونین
آج اس عشق میں ہوا موجود   اور جو دیکھے تھے کربلا میں حسینؓ [5]

معظم بیجاپوری کا کلام بھی اسلامی تہذیب و تاریخ کے مزاج میں ڈھلا ہوا ملتا ہے۔ وہ قرآن پاک سے ماخوذ آیاتِ کریمہ کو اپنے شاعرانہ تخیلات کا حصہ بناتے ہیں۔ جہاں ان کے کلام میں خارجی سطح پر ہندستانی سرزمین کی خوشبو بسی ہے وہاں اس کی داخلی پرتیں اسلامی رنگ میں رنگی دکھائی دے رہی ہیں۔ دراصل اس عہد کا سماج اپنے ماضی کی تہذیبی اقدار و روایات میں ہی سانس لے رہا ہے جس کے اندر اسلامی روح کارفرما دکھائی دیتی ہے۔ اس کی بنیادی وجہ اس عہد کے سماج پر حیدرآباد دکن اور اس کے مضافات میں موجود امام بارگاہیں، مزار، دربار اولیا، بزرگانِ دین کی چلہ گاہیں، مساجد، متصوفین کی محافل اور دینی مدارس کے اثرات ہیں جس کی بنا کر عوام و خواص میں دینِ اسلام سے محبت اور اس کی تہذیبی اقدار سے رغبت حد درجہ بڑھ چکی ہے۔

میثاق میں مرے سے دلبر کیا ہے شرط   لا تقنطوا زبان سے یاور کیا ہے شرط [6]

کلام فیض دکنی میں عرفانِ ذات سے عرفانِ الٰہی کا تہذیبی ارتقا اسلامی تصوف کے زیر سایہ پروان چڑھتا ہے۔ وہ صرف اپنی ذات میں گم ہونے والا صوفی نہیں بلکہ حقیقت الٰہی کا شعور و ادراک اور آگہی کا سفر بصیرت افروز اور بصارت نواز جلووں میں طے کرتا ہے۔ راست گوئی، بے باکی، غیرت مندی سے مسرور ان کا کلام ہند اسلامی تہذیب کے احساسِ جمال کا پروردہ نظر آتا ہے۔ احساسِ ذات سے احساسِ جمال کی تہذیب کا خوش نمارنگ محض ان کے خارجی حُسن کی دلیل نہیں ہے بلکہ داخلی حسن کے اثبات کا نتیجہ ہے۔ وہ زندگی کے ان نازک لمحوں کو حقیقتِ مطلق کی گرہ میں باندھ کر اس کے ازلی حسن کی تلاش میں نکلے ہیں۔ حرم، دیر، حشر، گنگا و جمنا، احمد نگر اور محمد مصطفیٰ جیسے شعری تلازمات ان کی مذہب اسلام سے گہری عقیدت و محبت کا ثبوت ہیں۔

حشر تک بھی آتا نہیں ان کا تھمنا   دونوں آنکھیں ہیں مری ہجر میں گنگا جمنا [7]

فیض دکنی کی غزل میں جذبۂ عشق اسلامی تہذیب و سماج کی سان پر چڑھ کر اک والہانہ جذب و شوق کی صورت میں جلوہ گر ہوتا ہے، جس میں محبوب کا جسم و جاں پاکیزگی اور فطری حسن کی اک باوقار علامت بن کر اُبھرتا ہے۔ اگرچہ ان کے یہاں ہند اسلامی تہذیب کا بیان بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ ہوا ہے مگر خالصتاً اسلامی تہذیب و افکار کا تذکرہ بھی ان کی غزل کا غالب حصہ قرار دیا جاسکتا ہے۔

کلام غواصی میں اسلامی تہذیب و مذہب کے دریچوں سے چھن چھن کر آنے والی کرنیں عرفانِ نفس سے عرفانِ الٰہی کی جانب پرواز کرتی ہیں۔ ان کے کلام میں اسلامی تاریخ کے عہدِ رفتہ کی بازگشت صاف سنائی دے رہی ہے۔ وہ حُسن و عشق کی نزاکتوں سے شناسا ہوتی حیات و وحدتِ حق کے حسرت و حرماں، زندگی، حُسن اور تہذیب

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

کے انجذابی شعور سے بڑھ کر بے مثل ذاتِ الٰہی کے عشق میں ڈوبے دکھائی دیتے ہیں۔ ان کے مزاج میں اسلامیت اور عرفانِ ذات سے آگہی اپنے عہد کے فکری رویوں سے اکتسابِ فیض کرتی ہے۔۔ ان کی الحمد للہ کی ردیف میں لکھی غزل حیدرآباد دکن کے تہذیب وسماج میں اسلامیانہ رچاؤ کا بہترین ثبوت قرار دی جاسکتی ہے:

کھلے سر تھے گلزار الحمد اللہ — اُٹھیا جگ میں مہکار الحمد اللہ
جہاں کا تہاں آج دیتے ہیں جلوا — سعادت کے آثار الحمد للہ (8)

سلطان محمد قلی قطب شاہ کو برصغیر بالخصوص جنوبی ہند کے تہذیبی رنگوں، جمالیاتی اقدار وروایات اور ہند اسلامی تہذیب کا باکمال شاعر تصور کیا جاتا ہے۔ انھوں نے وہ اپنے کلام میں جگہ جگہ مذہب اسلام اور اس سے وابستہ تہذیبی وادبی اور سماجی اقدار وروایات کا تذکرہ کر کے نہ صرف ایک محب اسلام کا ثبوت دیا بلکہ اپنے عہد کی اشرافیہ کے تہذیبی ومذہبی رویوں اور ان کے جمالیاتی ذوق کو پروان چڑھانے میں بھی مددگار ثابت ہوئے۔ یہ سچ ہے کہ انھیں اسلام سے گہری وابستگی رہی مگر ان کے اشعار میں مذہبی رنگ اتنا گاڑھا نہیں ہے کہ انھیں اک مخصوص مذہبی تناظر میں اپنے عہد کا باعمل صوفی شاعر قرار دیا جائے لہٰذا اس رنگ شاعری کو ان کے عہد کی عمومی تہذیبی روایت قرار دینا ہی مناسب ہو گا۔ اس عہد میں اُردو غزل نے خود کو تین بڑے حصار میں مقید کرر کھا ہے یعنی تصورِ عشق، مذہب اور تصوف۔ یہی اثرات قلی قطب شاہ کی غزل پر اپنی واضح صورت میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ بقول ڈاکٹر انور سدید: "قلی قطب شاہ کو اسلام سے گہری محبت تھی لیکن مذہبی شاعری سے بھی اس نے اکتسابِ مسرت ہی کیا ہے۔"(9) ان کے اکتساب مسرت کا یہ سلسلہ اسلامی تاریخ اور مذہب کے درمیان پھیلا ہوا ہے۔ اس کی غزلیات میں اسلامی تاریخ ومذہب کی خوشبو چار سو بکھری پڑی ہے۔ وہ حضرت محمدؐ، آل محمد بالخصوص پنجتن پاک کا ذاکر ہے جس میں ذرا برابر ریاکاری کا عنصر شامل نہیں ہے ان کے کلام میں ایک سچے، کھرے اور مخلص انسان کی محبت اپنی جلوہ گری دکھا رہی ہے۔

سلطان محمد قلی قطب شاہ اثنا عشری عقاید کے پیروکار تھے۔ ان کی اہل بیت سے گہری محبت کا ثبوت یہ ہے کہ انھوں نے گولکنڈہ میں شیعہ مذہب کے علائم وشعائر کو رواج دینے میں کئی خفیہ وعلانیہ مساعی کیں۔ لہٰذا بذاتِ خود ایک شاعر کی حیثیت سے اس کے یہاں ایسے اشعار کی کمی نہیں جن میں حبِ اہل بیت کا بیان ملتا ہے۔ حُبِ اہل بیت کے ضمن میں جس طرح انھوں نے ائمہ آلِ محمدؐ، خانوادۂ رسولؐ، حضرت علیؓ حیدر کرار سے بے لوث التفات اور ان کے مناقب کے بیان میں اپنی عاجزی وانکساری اور مسکنت کا ذکر کیا ہے وہ بے مثل ہے۔ جب وہ نبیؐ صدقے علیؑ صدقے جیسے معنی خیز الفاظ کو اپنی غزل کا حصہ بناتے ہیں تو ایک مذہبی فضا کا تاثر اُبھرتا دکھائی دیتا ہے۔

سدا تو مدح نبیؐ و علیؓ کی کہتا ہے — قطب شہ شعر ترا تو لکھے ہے دست بدست (10)

مرا قد ہے سو تج نیہہ باؤ تھے لرزاں سو جیوں جیغہ — عصا دے ہاتھ میں میرے کہ جیوں موسیٰ محرم کا (11)

مے فروشاں لاج تھے باندھے ہیں میخانہ کے در — عیسوی دم موسوی فر تھے ہمارا کھول باب (12)

ساسیں کا راز مستی تج پر چڑیا دعا کر — شکرانے کا دو رکعت کرتا ہوں میں ہوا صبح (13)

قلی قطب شاہ کے شعور، تحت الشعور اور لاشعور میں اسلامی تاریخ وتہذیب اپنا رنگ جمائے بیٹھی ہے۔ وہ اپنے کلام میں اسلامی تاریخ اور قرآن وحدیث کا سہارا لے کر حُسن وعشق کے وہی تلازمات واشارے تراشتے ہیں جن کا تعلق اسلامی ذہن وافکار کے ساتھ ہے۔ درحقیقت اپنی اسلامی تہذیبی میراث کو زندہ رکھنا اور اس سے اخذ واکتساب مسرت کرنا ان کا خاص رنگِ تغزل ہے جس میں وہ پوری طرح کامیاب ہوئے ہیں۔ لہٰذا ان کے ہاں محض اپنے عہد کی تہذیبی وادبی روایت کی پاسداری ہی نظر نہیں آتی بلکہ اپنے پرکھوں سے ملی اسلامیانہ تربیت اور پُرخلوص روحانی زندگی کی جھلک اپنا رنگ جابجا دکھا رہی ہے۔

قرآن مجید بذاتِ خود لسانیاتی سطح پر حسن وجمال کا بے پناہ الٰہیاتی مظہر ہے اور رہی بات جنت کی تو اسلامی فکریات میں جو توجیہ پیش کی جاتی ہے اس بنا پر یہ سب سے حسین ارضِ حیات ہے جہاں حُسن وجمال کی ندیاں بہادی گئیں ہیں۔ قلی قطب شاہ کی غزلیات میں قرآن مجید، جنت اور حور جیسے مذہبی اشارے ایک خاص فکری ومعنیاتی سما باندھ دیتے ہیں۔ انھوں نے اپنی غزل میں مذہبِ اسلام کے خارجی ظواہر کے ساتھ ساتھ اس کے باطنی حسن پر بھی اپنی توجہ مرکوز کی ہے۔ لہٰذا اسلامی تاریخ ومذہب سے

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.4 No.4 2021

ماخوذ تاریخی واقعات کے ذریعے وہ اپنے اور قاری کے درمیان ایک مذہبی فضا برقرار رکھتے ہیں۔ انھوں نے جابجا موسیٰؑ، عیسیٰؑ، آبِ زم زم، حضرت خضرؑ، کوہِ طور، لقمانؑ، یمن اور مصحف جیسی تلمیحات کے ذریعے سے اسلامی تہذیب واُردو غزل کے تاریخی حسن کو دوبالا کیا ہے:

جوبن کے طور اوپر مکھ نور مجھ دکھا کر　　موسیٰ نمن بھلا کر عیسیٰ نمن جلاتی (14)

ان کی غزلیات میں بطور خاص صحیح حدیث، یارِ کنعاں، زاہد، مسلماں، احرام، اسم محمد اللہ، الحمدللہ، استغفر اللہ، دیدہ یعقوبؑ، الیاسؑ و خضرؑ، نمازاں، نغمۂ داوٗدؑ، مسجد، سجدا، جنت، دوزخ، اعراف، قرآن، حدیث، حاجیاں، کعبہ، طواف، حج اکبر، اور درگاہ جیسے مذہبی، تاریخی اور تہذیبی اشارے، علامتیں، تراکیب اور تلمیحیں ان کے ایک خاص اسلامی فکری میلان اور تہذیبی پس منظر کو بخوبی واضح کرتے ہیں۔

قلی قطب شاہ کی غزل کا خمیر اسلامی تہذیبی و مذہبی اور تاریخی پس منظر سے اُٹھا ہے۔ وہ بجاطور پر اپنے کلام میں اسلامی تاریخ و تہذیب کی نمایندگی کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ جہاں ان کے یہاں کنعاں، قصۂ یوسفؑ، گریۂ یعقوبؑ، آبِ زم زم، سلیمانؑ کی انگوٹھی اور کوہ سراندیپ پر حضرت آدمؑ کے مقام کا ذکر چھڑتا ہے تو قاری بغیر کسی ردو قدح کے ایک طرح سے اسلامی تاریخ کے جمگھٹے میں خود کو مقید پاکر نورِ ایمانی حاصل کرتا ہے۔

یہ سرفرازی بس ہے دو جگ منے معانیؔ　　منج سیں پر لکھا ہے اسم محمدؐ اللہ (15)

قصۂ یوسفؑ دکھو بیرحمئ یاراں دکھو　　پیرہن باس دکھو دیدۂ یعقوبؑ دکھو
دوری رکھو سو تماری و ہمن صبر دکھو　　خندۂ ناز دکھو گریۂ یعقوبؑ دکھو
آبِ زم زم ہور اس تھڈی کا نیر دکھو　　صافی چشمہ دکھو نائب منثوب دکھو (16)

قرآن مجید، حدیث، محمدؐ، اللہ تعالیٰ، متصوفانہ طرزِ فکر، ان کے مذہبی عقاید، درگاہوں اور اولیا کے علاوہ ائمہ آلِ محمدؐ، اہل بیتؓ اور حضرت علیؓ کا عقیدت و احترام، پنجتن پاک سے عشق، اسلامی تاریخ و مذہب سے ماخوذ کردار مثلاً حضرت موسیٰؑ، عیسیٰؑ، منصورؒ، خضرؑ، داوٗدؑ، ابراہیمؑ، یوسفؑ، یعقوبؑ، آدمؑ، حافظ شیرازیؒ، مہدیؒ، ہادیؒ وغیرہ، مفکرین اسلام کا مذکور، متصوفانہ اصطلاحات، مذہبی علامات، شریعت و طریقت، مسلم شعرا کا تذکرہ اور دیگر اسلامی متصوفانہ فکر سے علائم و رموز (سالک، جبروت، لاہوت، ناسوت، ملکوت)، یہ سب ان کی غزل کی ایک خاص فکری جہت کا تعین کرتے ہیں جس سے ان کے کلام میں ایک خاص فکری رجحان، تہذیبی و مذہبی اور تاریخی پس منظر کا پتہ چلتا ہے جو سراسر اسلامی ہے۔

ولی دکنی کی غزل کا اسلامی تہذیبی پس منظر ان کے اسلامی ذوق اور مذہبی عقاید کی وساطت سے متعین ہوتا ہے۔ ان کی غزلیات میں جابجا مذہبی و دینی اشارے ملتے ہیں۔ لہٰذا ان کی تمام اُردو غزل اسلامی تہذیب کے افکار و تصورات سے مزین ہے جس میں نہ صرف مذہبی تمثال، مذہبی اصطلاحات، قرآنی حروف و آیات، قصص الانبیاؑ، اولیا اکرامؒ کے مزارات، حضرت محمدؐ اور اہل بیت رسولؐ، قرآن پاک سے اخذ شدہ حروفِ مقطعات، احادیثِ مبارکہ کا مذکور، علمائے صالحین کا تذکرہ، مفکرین اسلام کا ذکر، قرآنی آیات و تاریخی تلمیحات، اسلامی تہذیب کی شہرہ آفاق ہستیاں اور بے مثل کردار مثلاً حضرت علیؓ، ابراہیم بن ادھمؒ، شرف الدین بو علی قلندرؒ، ابو المعالیؒ، سعدی شیرازیؒ، مولانا جامیؒ، فخر الدین رازیؒ، ابن سیناؒ اور امیر خسروؒ سے ان کا جذباتی و تہذیبی لگاؤ، اسلامی تصوف کی مستعمل اصطلاحات مثلاً حال و قال جذب و سکر، صحو، مجذوب، جبر و قدر، جبروت، لاہوت، ملکوت، ناسوت وغیرہ۔ اس بات کا مستند ثبوت ہیں کہ آپ اسلامی تاریخ و تہذیب سے شعوری و لاشعوری طور پر بے پناہ رغبت رکھتے ہیں۔

رقیباں کی ملامت سوں محمد مصطفا　　سجن کی خرد سالی پر خدا ناصر خدا حافظ
سجن کے حسن افزوں پر خدایا تو اماں کرنا　　کہ اس امید گلشن پر علی مرتضیٰ حافظ (17)

ولی کے عہد میں اہم تہذیبی مراکز جنھوں نے ان کو اور ان کے فن کو بجاطور پر متاثر کیا وہ صوفیا کرام کی محافل، خانقاہیں، امام بار گاہیں، مقابر، مزارات، دینی مدارس اور مساجد تھیں البتہ اس عہد کے اہم تہذیبی مراکز شہنشاہوں کے دربار اور امرا و وزرا کے ٹھکانے بھی تھے۔

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

لب حمد و ابرو بسم اللہ دو زلف ہیں واللیل جیوں لے درس قرآں رُخ کا اب شمس الضحیٰ پڑھتا ہوں میں[18]

رات کو آؤں اگر تیری گلی میں اے حبیب زیورِ لب ذکر "سبحان الذی اسریٰ" کروں[19]

ولی دکنی کی غزل کے تہذیبی پس منظر اور فکری میلان کا جھکاؤ اسلامی تاریخ و تہذیب کے روحانی عہد عروج کی جانب دکھائی دیتا ہے۔ان کے کلام کی وساطت سے قاری کو اک روحانی کشف کا احساس ہوتا ہے۔اسلامی تاریخ کے گزشتہ اوراق پر حسن و عشق کے تلازمات کے ذریعے محبوب کے غمزہ و ادا،لب و رُخسار، گیسوئے یار کو جذبات کی پختہ روشنائی سے رقم کرنے کا ڈھنگ انھیں خوب آتا ہے۔اصطلاحات قرآنی اور اسلامی فنِ کتابت سے گہرا ذہنی انسلاک ان کے بہترین اسلامیانہ شعور کا پتا دیتا ہے۔اگرچہ ان کا زیادہ تر کلام عشق مجازی کے رنگ میں رنگا ہوا ہے مگر باوقار تاریخی ذرائع سے وقیع و مستند تلازمات کو وہ اس خوبصورتی سے منظوم کرتے ہیں کہ اس کا عکس جمیل قاری کو اسلامی تاریخ کے عہدِ عروج میں لا کھڑا کرتا ہے۔

ڈاکٹر سعد اللہ کلیم ان کی اس غزل کی بہ نسبت لکھتے ہیں:

"یہ پوری غزل اسی رنگ میں ہے اس میں مذکورہ اصطلاحات قرآنی اور اسلامی فن کتابت کے اشاروں کے علاوہ ہیکل، مصحف، حافظ، ید بیضا، سورہ العصر، لم یکن، یاسین، انافتحنا، لافتی الا علی الا سیف الا ذوالفقار، احفظنی عن الشر البلاء" کے ٹکڑے ولی کے فکری میلان اور اس کی غزل کے تہذیبی پس منظر کا واضح ثبوت ہیں۔"[20]

درحقیقت کلام ولی میں قرآن و حدیث کے مآخذ اور اسلامی تاریخ کا رنگ حجر اسود، شق القمر، چاہ زم زم، حوض کوثر، حضرت بلالؓ اور شاہ کربلاؓ جیسے مستند واقعات کی صورت میں جلوہ گر ہو کر کسی بھی مشتاقِ ادب کو اپنے سحر میں گرفتار کرلیتا ہے۔ولی کا یہ رنگ اُردو غزل میں انفرادیت کا حامل ہے وہ اس کے خود ہی موجد اور خود ہی خاتم ہیں۔ انھوں نے سراپا محبوب کے بیان میں نہایت ہی پاکیزہ تلازمات کا سہارا لیا ہے۔اس رنگ میں ان کا اُردو غزل میں کوئی ثانی دکھائی نہیں دیتا۔

یو تل تجھ مکھ کے کعبہ میں مجھے اسود حجر دستا زنخداں میں ترے مجھ چاہ زمزم کا اثر دستا[21]

مرا دل چاند ہوا تیری نگہ اعجاز کی انگلی کہ جس کی یک اشارت میں مجھے شق القمر دستا[22]

لب پہ دل بر کے جلوہ گر ہے جو خال حوضِ کوثر پہ جیوں کھڑا ہے بلال[23]

ظلم مت کر سجن ولی اوپر تجھ کوں ہے شاہ کربلا کی قسم[24]

خاکساری ہے حق اگے منظور خاکِ درگاہِ مصطفیٰ کی قسم[25]

وہ اپنے محبوب کے جسم و رنگ و خال و خط کے بیان میں مذہبی پیرائے کا سہارا لے کر اسے اور بھی پُر لطف بنا دیتے ہیں کہیں مکھ صفحۂ قرآن ہے تو کہیں لبوں پر انھیں تل حوضِ کوثر پر کھڑا بلال نظر آتا ہے۔ان خوبصورت شعری تلازمات اور پیرایۂ بیان کی بنا پر انھیں اُردو غزل میں سب سے باوقار خوبصورت اور عظیم سراپا نگار کہہ دینے میں کوئی ملمع سازی نہیں کی جاسکتی۔اسی بنا پر ڈاکٹر سید عبداللہ انھیں اُردو شاعروں میں سب سے بڑا سراپا نگار قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وہ حسن ظاہر کے ثناخواں ہیں جو دنیا میں ہر جگہ مل جاتا ہے جسے مقید نہ ہونے پر بھی دیکھا جاسکتا ہے ان کی لذت کوشی اور لذت بخشی حسن ظاہر کی توصیف تک محدود ہے۔ان کے لیے محبوب کے مکھ میں سب سے زیادہ دلکشی ہے۔یہ مکھ حسن کا دریا ہے اس کی جھلک سے آفتاب شرمندہ و بیتاب ہے اس کا مکھ صفحۂ رخسار صفحہ قرآں ہے۔اس کے بعد درجہ بدرجہ آنکھ اور لب، خال (تل) اور قد غرض سراپائے جسم کی تعریف و توصیف اتنے عمدہ اور دلکش پیرائے میں بیان کی ہے کہ ولی کو اُردو شاعروں میں سے بڑا سراپا نگار کہہ دینے میں کوئی مضائقہ معلوم نہیں ہوتا۔"[26]

Vol.4 No.4 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

ولی کی شاعری کا سورج خارجیت اور باطنیت کا حسین امتزاج لے کر طلوع ہوتا ہے مگر ان کے اس نظامِ شمسی میں شامِ غریباں کا چاند کہیں غم کے بادلوں کی اوٹ میں جا چھپتا ہے تو کہیں اپنی دلکش چاندنی سے ہر زخمی دل کو منور کر دیتا ہے۔ وہ حسن ظاہر اور حسن باطن کے ثناخواں کی حیثیت سے اپنا علم لے کر کربلائے محبوب کی جانب بڑھتے ہیں۔ جہاں عاشق زار کے دل شہر بے قرار میں صفِ ماتم بچھی ہے۔ وہ ہجر و فراقِ یار میں آٹھ آٹھ آنسو نہیں روتا بلکہ وصال محبوب کا متمنی نظر آتا ہے۔ اس کے بدن کی توصیف کا انداز نرالہ ہے جس میں پاکیزگی اور خلوص کا عنصر شامل ہے۔ وہ حسن ظاہر کے شعلہ بیاں ضرور ہیں مگر (احترامِ انسانیت / عشق کی پہلی شرط)، احترام اور تقدس کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ ان کی غزلیات میں ایک صوفی شاعر کا تصور اُبھرتا دکھائی دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ڈاکٹر رام بابو سکسینہ نے "تاریخ ادب اُردو"، میں ولی کو اُردو کا سب سے پہلا شاعر اور سلوک و معرفت میں مستغرق بڑا صوفی قرار دیا ہے جو دلی کے ایک مشہور بزرگ شاہ سعد اللہ گلشن کے حلقہ ارادت میں داخل تھا۔[27]

اس سے قطع نظر کہ انھوں نے درویشانہ لباس زیب تن کیا یا نہیں وہ کسی بزرگ کی خانقاہ پر مجاور بن کر بیٹھے یا نہیں یا ان کی تمام عمر دربارِ اولیا کی زینت رہی ایسا کچھ بھی نہ ہو مگر ان کے تصورات اور اخلاقیات سے ایک اچھا درس ملتا ہے کہ وہ ایک صوفیانہ مزاج کے مالک ضرور تھے۔ یہ مزاج اور متصوفانہ فکر ان کو گھریلو ماحول اور تربیت سے عطا ہوئی جس کی وجہ سے ان کے کلام میں معرفتِ ذات اور معرفتِ حق کا اعتدالی رویہ ملتا ہے۔ بقول ڈاکٹر فرمان فتح پوری: "وہ خود صوفی رہے ہوں یا نہ رہے ہوں لیکن تصوف کی تعلیم انھیں بچپن سے ہی ملی تھی۔"[28]

ولی دکنی اور ان کے معاصرین کے بعد سراج اورنگ آبادی اور شاہ بوتراب علی کا سارا کلام اسلامی تصوف کے رنگ میں ڈوبا ہوا ہے۔ ان کے اظہار و ابلاغ کا ذریعہ مکمل طور پر اسلامی تہذیب و افکار ہیں۔

سراج کے ہاں خوبصورت لفظوں میں ڈھلے ہوئے سانچے نہ صرف قاری پر اپنی اثر آفرینی قائم کرتے ہیں بلکہ ان کی سادگی و پرکاری اور موسیقیت میں گندھی ہوئی غزلیات بے خودی اور سرشاری کا اعلیٰ نمونہ معلوم ہوتی ہیں۔ معرفتِ حق اور عرفانِ ذات ان کی غزل کا مرکزی تصور ہے۔ وہ عشق حقیقی و مجازی میں حدِ اتصال سے کام لے کر اسے مائل بہ اعتدال کرتے ہوئے روحانیت کی معراج پر لے جاتے ہیں۔ ان کی سادہ لوحی اور جذبہ و عمل سے بھرپور شاعری بجا طور پر انھیں عہدِ حاضر کا شاعر ثابت کرتی ہے اور صحیح معنوں میں:

> "سراج جذبے کی تہذیب کا شاعر ہے۔ وہ آتش فشاں کا دہانہ کھولتا ہے لیکن پھر اسے مائل بہ اعتدال بھی کرتا ہے چنانچہ اس کے بعض اشعار تو ہمارے عہد کی جدید غزل کا پیش خیمہ نظر آتے ہیں۔"[29]

اس عہد کی اُردو غزل میں عربی و فارسی ادب سے اخذ و اکتساب کا عمل مسلسل جاری ہے۔ جہاں تک اسلامی تہذیبی، مذہبی اور تاریخی پس منظر کا سوال ہے تو سراج اورنگ آبادی کی غزل میں اسلامی تہذیب و تاریخ سے ماخوذ شہرۂ آفاق ہستیوں کا تذکرہ، آئمہ آل محمدؐ، اصحابِ رسولؐ، حضرت امام حسینؓ، اسلامی الٰہیاتی فکر میں وحدتِ وجود کا تصور، اللہ کے صفاتی نام، قرآن مجید سے اخذ شدہ آیات، قرآنی سورتوں کے نام، اسلامی تہذیب و سماج سے متعلقہ علامات، مذہبی اصطلاحیں، علائم و رموز، شعائرِ مذہبی، اسلامی تاریخ سے معروف تلمیحات، تشبیہیں، رمز و کنایہ، استعارے، تصورِ حسن و جمال، تصورِ عشق، اسلامی معاشرت کی مقبول عام داستانوں کے کردار، معروف مسلم شعرائے فارس و ہند، حب اہل بیت، پیغمبرانِ اسلام کا ذکر، ہند ایرانی خارجی و داخلی عناصر، اسلامی مہینے، اسلامی خطاطی، عیدین اور نمازوں کا تذکرہ درحقیقت ان کے اسلامی فکری میلان اور تہذیبی پس منظر کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

مجھ نگینِ داغ پر نقش ہے حرف وفا عشق کی امت میں ہوں مہر نبوتؐ کی قسم[30]

سراج اورنگ آبادی کے کلام میں اسلامی تہذیب و مذہب سے مستفاد جمالیاتی رنگ اور حقیقتِ مطلقہ کا ادراک اس وقت معنی خیز صورت اختیار کر لیتا ہے جب وہ اسلامی تاریخ و مذہب سے لوازمات، استعارے اور علامتیں تراشتے ہیں۔ ان کے یہاں حور پیکر، سدرۃ المنتہٰی، سورۂ النور، قرآن اور سلیمانِ زماں جیسے اسلامی مذہب سے اخذ شدہ تہذیبی رنگ ان کے مذہبی شعور اور وجدانی ذوق کی غمازی کرتے ہیں۔ جیسا کہ محبوب کا چہرہ قرآن ہے جس پر سورہ نور لکھی ہے۔ وہ حور پیکر ہے۔ اس کا سروقد سدرۃ المنتہٰی کے مانند ہے۔

گلستان خوبی میں اے حُور پیکر ترا سرو قد سدرۃ المنتہٰی ہے (31)

تجھ مکھ پہ عیاں ہے سورہ نُور قرآن میں فال دیکھتا ہوں (32)

سراج کے کلام میں ان کے مذہبی شعور اور فکری میلان کے پیش نظر ان کے تہذیبی پس منظر کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ وہ حُسن و جمال اور عشق سے مربوط جتنی علامتیں، استعارے اور اصطلاحیں استعمال کرتے ہیں اس سے ان کے رنگ تغزل میں کمی واقع نہیں ہوتی۔ یہ سچ ہے کہ مذہبی فضا کی بنا پر کہیں کہیں اُکتاہٹ کا احساس ہونے لگتا ہے مگر اس سے علم و آگہی کو زیادہ جلا ملتی ہے۔ صورِ اسرافیلؑ، پرِ جبریلؑ، غلامِ احمدی، فیض سرمدی اور کعبہ عشق جیسی تراکیب کے ذریعے وہ کئی روحانی مکاشفات اور باطنی ادراک سے پردہ اُٹھاتے ہیں۔ یہ تلمیحاتی رنگ ان کے کلام میں ہمہ گیر اور پُر تاثیر مذہبی بصیرت کے درواکر تا چلا جاتا ہے۔

حجِ اکبر، عید قرباں، عشقِ حیدریؓ، نام علیؓ، اشکِ زلیخائی جیسی تراکیب، حضرت اسمٰعیلؑ، یوسفؑ، داؤدؑ، سلیمانؑ، محمدؐ، احمدؐ جیسے پاکیزہ نام جو اسلامی تاریخ میں استناد کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جن کا کتاب مبین میں بھی ذکر جابجا ملتا ہے۔ اسلامی تاریخی شہر بدخشاں کا ذکر، یہ سب مل کر صحیح معنوں میں ان کے بلند ترین مذہبی و تاریخی تخیل اور اسلامی تہذیب سے گہرے لگاؤ کو ظاہر کرتے ہیں۔

دم بدم صور آہ سیں مجہ کوں و تکون الجبال یاد آوے (33)

شام غم کوں ہے امیدِ صبحِ عشرت دم بدم سورہ واللیل کوں ہے والضحیٰ کا اشتیاق (34)

توں احد ہے نام تیرا احمد احمد بے میم ہے زیب پایا تجھ صفت سیں ہر ورق قرآن کا
اے سراج اپنی خودی کو یوں بیخودی میں مجھ کر شغل جاری رکھ ہر ایک دم میں ھو الرحمٰن کا (35)

سورہ واللیل، سورہ یاسین، والضحیٰ، سورہ نور، سورہ اخلاص اور والتین کی قسم کھانا، صور، و تکون الجبال، ھو الرحمٰن، احمد بے میم، من حبل الورید اور کتابِ حسن کی تفسیر جیسے مذہبی علائم و رموز اور مسبوق الذکر تمام اسلامی تہذیب سے متعلقہ عناصر، یہ مذہبی، تاریخی اور تہذیبی پس منظر ان کے صحیح فکری میلان کو ظاہر کرتے ہیں۔ جس میں ہندستان کی ارضیت کی خوشبو بھی بسی ہے تو دوسری طرف اسلامی روح کی کارفرمائی بھی اسے تابندگی بخش رہی ہے۔ یہی اسلامی روح سراج کے بعد دیگر دکنی شعرا میں منتقل ہوئی جن میں شاہ قاسم اورنگ آبادی، داؤد اورنگ آبادی اور شاہ تراب اہم ہیں۔

شاہ قاسم اورنگ آبادی اپنے پیش رو ولی دکنی اور ان کے معاصرین سے اثر پذیر دکھائی دیتے ہیں۔ ان کا کلام بھی اسی شعری روایت کا تسلسل ہے جس میں پاکیزہ عشق کے سائے میں پلتے زخم اور محبوب کے جسمانی لمس سے زیادہ روحانی سکون کی خواہش انگرائی لے رہی ہے۔ سبحان رب الاعلا، وقنا ربنا عذاب النار، یوسف مہ اور مہ کنعاں جیسے قرآنی حوالے اور شعری تلازمات واستعارے اس امر کی واضح دلیل ہیں کہ اس خطے پر عرب ایرانی تہذیب کا غلبہ بڑھتا جارہا ہے اور مقامی کلچر کا رنگ آہستہ آہستہ پھیکا پڑ رہا ہے۔ کلام شاہ قاسم اورنگ آبادی میں اسلامی شعائر حیات اور مذہبی عقائد و تصورات کا اثر واضح طور پر دیکھا جاسکتا ہے۔

وہ سرو قد میری آنکھوں میں اب تو پھرتا ہے ہزار شکر ہے سبحان رب الاعلا (36)

یہ دل کس یوسف مصری کو چاہیے ہمارا وو مہ کنعاں نہ آیا (37)

ایک تو معشوق حسن اور زردار وقنا ربنا عذاب النار (38)

داؤد اورنگ آبادی اس عہد کے سماج میں احساسِ ذات اور اجتماعی شعور کے اصل ارتفاع کا معیار مذہبی رجحان (واطیعوا اللہ واطیعوا الرسول) کو قرار دیتے ہیں۔ یہ شعور در حقیقت اسلامی تہذیبی رنگ میں پروان چڑھتا ہے۔ دراصل مذہب، تصوف اور عشق کی یہ تثلیث اپنے سیمابی زاویوں کے ساتھ اپنے داخل میں اسلامی مذہب سے

Vol.4 No.4 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

مستعار بصیرت اور بصارت کو سمیٹے ہوئے ہے۔ داؤد اورنگ آبادی کے ہاں وارداتِ قلبی جہاں اسلام کے آفاقی اور کائناتی رنگ کی امین ہے وہاں اس کے سائے میں پلنے والے سماج کی ہمہ گیر فطری اسلامی وابستگی کا بے ساختہ اظہار بھی ہے۔ وہ اپنے دیوان کا آغاز حمدیہ اور نعتیہ غزل سے کرتے ہیں۔

ابتدا لکھتا ہوں اسم اللہ کا کھینچ مد دیواں پہ بسم اللہ کا
بعد حمد و ذکر اللہ الصمد شغل ہے نعت رسول اللہ کا (39)

محمد مصطفٰے کی یاد ستیں میرا دل قلعہ احمد نگر ہے (40)

شاہ تراب علی کے ہاں اصحابِ کبار کا تذکرہ ان کی عقیدت و محبت اور احترام کا منہ بولتا ثبوت ہے بالخصوص وہ دامادِ رسولؐ حضرت علی المرتضیٰؓ حیدر کرار کے عشق میں سرشار نظر آتے ہیں کہیں تو پوری پوری غزل ان کی تعریف و توصیف میں ہے تو کہیں دیگر غزلیات میں اکا دکا اشعار ان کے اوصاف و مناقب کی ترجمانی کرتے ہیں۔

زلف بتاں کئے ہیں پریشان یا علیؓ ہوتار کفر کا توں نگہبان یا علیؓ
باتختِ سلطنت او سلیمانِ وقت ہوئے گر مور پر ہووے توں مہربان یا علیؓ (41)

ان کی اس پوری غزل میں اسلامی مذہب، تاریخ اور تہذیبی روایات سے کئی امثال سامنے آئی ہیں۔ جس سے ان کی غزل کا تہذیبی پس منظر بجا طور پر کھل کر سامنے آیا ہے۔ مثلاً اسلامی تہذیب و مذہب سے متعلقہ جن لفظیات، علائم و رموز، اصطلاحات، دینی تصورات، عقاید اور مذہبی اشاروں کو اپنے کلام کا حصہ بناتے ہیں وہ مختصراً یہ ہیں: سلیمانؑ وقت، مور (قرآن میں مور سلیمانؑ کا تذکرہ سورہ نمل میں ہے)، حب اہل بیت، خاکِ نجف، سجدہ گاہ، مہر سلمانؑ، تفسیر، حدیث، قرآن، خیبر (قلعہ القموص جسے حضرت علیؓ نے فتح کیا اور اس کا دروازہ اکھیڑ دیا تھا)، سبحان، یا علیؓ، عرش، فرشِ ثناخوان، معرفت، ایمان، شہیدانِ کربلا، لعل بدخشان، ذوالفقار (حضرت محمدؐ کی تلوار جو بعد ازاں حضرت علیؓ کو عنایت ہوئی تھی اس کا نام یہی ہے)، الہام، ثنائے علی، جدِ حسینی، حضرت برہان اور حیدری وغیرہ اہم ہیں۔

شاہ تراب علی کے پیش رو ولی دکنی اپنے خاص نشاطیہ رجحان اور جمالیاتی رنگ کی بنا پر اپنی انفرادی شان رکھتے ہیں۔ ان کے ہاں حسن و عشق کا مجازی و حقیقی امتزاج انھیں یہ امتیازی وصف عطا کرتا ہے۔ اس کے بالمقابل شاہ تراب علی نے اپنی تمام تر فکری عمارت عشق کے حقیقی تصور پر استوار کی ہے اگرچہ ان کے ہاں عشق مجازی کا تاثر بھی کہیں کہیں اُبھرتا ہے مگر اس پر حقیقت کا پرتو صاف نظر آتا ہے۔ مذہبی اصطلاحات، اسلامی تہذیب سے متعلقہ علائم و رموز اس میں مذکورہ آیاتِ قرآنی اور اسلامی فکر سے مملو اشارے علاوہ ازیں مصحف، کوہِ طور، سورۃ اخلاص، سورۃ القدر، سورۃ البقرہ، الٓمّٓ، یٰسٓ، رحمٰن و رحیم، لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ا، لارب ولا عبد، لَيْسَ كَمِثْلِهٖ، نَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُّوْحِيْ، اسماء الٰہی، لیلۃ القدر، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ، قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ، اَللّٰهُ الصَّمَدُ، الفقر فخری، قَالُوْا بَلٰى ا، بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطٌ، حَبْلِ الْوَرِيْدِ، کنت کنزا مخفیا اور دیگر گہری مذہبی فضا کی حامل غزلیات جن میں مجاز و حقیقت کا حسین امتزاج بھی ہے اور ایمانی فضیلت کا تقدس بھی برقرار رکھا گیا ہے۔ اسے ہم شاہ تراب علی کا مخصوص رنگ قرار دے سکتے ہیں۔

شکل سر تا پا فنا موجود لیکن از وجود كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ اے نکتہ داں (42)

شکل ہے قائم بغیر صوم ہے قائم بخود قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ہے اوس کی ابقا پریشاں (43)

ذات حق ہے بیرون ز قید قیاس بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطٌ کر توں شناس (44)

لَمْ يَلِدْ ا وَ لَمْ يُوْلَدْ اگر تحقیق ہے از نص و قال علت نمائی امہات سوں نسبت ہے کیا (45)

دیکھ بجز اخلاص کوں اخلاص مند مخلصاں دردِ دل اپنا کیا ہوں قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ (46)

سمجھ کر لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا کے تیئں اپس ہستی کوں کو فانی سپند ہو ہو کے مجمر کا (47)

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

دکنی اُردو غزل میں ہمیں بطور خاص ایک مستند تہذیبی روایت جو مصدقہ حقائق سے متصف ملتی ہے وہ یہ ہے کہ شعرا اللہ تعالیٰ کی حمد، رسولؐ کی ثنا اور آئمہ آلِ محمد / صحابہ کی منقبت اور شاہانِ وقت کی قصیدہ گوئی سے اپنے دواوین کی ابتدا کرتے ہیں۔ اس میں کم و بیش سبھی شامل ہیں کیا ہندو کیا مسلم۔ مثال کے طور پر جنوبی ہند میں بعض ہندو شعرا کے ہاں بھی حمد باری تعالیٰ، نعت رسول مقبول اور بزرگانِ دین کی منقبت کا سراغ ملتا ہے۔ علاوہ ازیں مسلم شعرا، حسن شوقی، قاضی محمود بحری، معظم بیجاپوری، فیض دکنی، غواصی، ملاوجہی، قلی قطب شاہ، ولی دکنی، مہ لقاچندہ بائی، سراج اورنگ آبادی، شاہ قاسم اورنگ آبادی، شاہ تراب علی اور دیگر قابلِ ذکر شعرا کے دواوین کا آغاز بھی حمد و ثنائے رب اور رسول مقبولؐ کی تعریف و توصیف کی صورت میں ہوا ہے۔

مجموعی طور پر ان دو آزاد مسلم ریاستوں (قطب شاہی، عادل شاہی) سے ابتدائی عہد کے شعرا حسن شوقی، قاضی محمود بحری، غواصی، فیض دکنی، فخری، عراقی، آزاد اور نصرتی وغیرہ نے اُردو غزل میں ہند اسلامی خیالات اور اس کے تہذیبی رویوں کی آمیزش سے اسے اپنی ارتقائی منزل کی جانب گامزن کیا۔ اگرچہ اس ابتدائی عہد کی غزل پر ہندی اور مقامی تہذیب کے واضح اثرات نظر آتے ہیں مگر خاص اسلامی پس منظر بھی نمایاں صورت میں اپنی جھلک دکھلا رہا ہے۔

اُردو شاعری میں اسلامی ادبی تہذیبی و مذہبی روایت نہ صرف جنوبی ہند میں موجود رہی بلکہ ولی دکنی اور ان کے معاصرین کے بعد یہ پختہ روایت شمالی ہند میں منتقل ہوگئی اور یہاں متقدمین، متوسطین اور متاخرین شعرائے اُردو نے اسے زینتِ قلم کیا علاوہ ازیں تمام ادوار غزل میں اس جاندار روایت کے محسن و مربی ہندو شعرا بھی رہے۔ خاص پنڈت کر دیا شنکر نسیم، گھنشیام لال عاصی، دیبی پرشاد وہبی وغیرہ اہم ہیں۔ مثال کے طور پر مثنوی گلزارِ نسیم کے ہندو مصنف دیا شنکر نسیم نے حمد، نعت اور منقبت اسی تہذیبی روایت کے طور پر لکھی ہے حالانکہ وہ مسلم ہرگز نہ تھے۔

یہاں پر اُردو غزل کا پہلا تہذیبی دائرہ جو اُردو زبان کی ابتدا سے شمالی ہند میں اُردو شاعری کے آغاز بالخصوص ولی کے کلام کی دلی میں آمد پر مبنی ہے، تکمیلیت کے زمرے میں داخل ہو جاتا ہے۔ دوسرا تہذیبی دائرہ شمالی ہند میں اور تیسرا لکھنؤ میں جا کر مکمل ہوا اور بالآخر واجد علی شاہ اختر کی وفات کے بعد جدید عہد یعنی ۱۸۵۷ء کے بعد کلاسیکیت کے مقابل ایک نئے تہذیبی رویے کا آغاز ہوا جس میں کلاسیکی و جدید رنگ کا امتزاج بھی ہے اور جدیدیت کی خوشبو بھی بسی ہے۔

حوالہ جات

1- سعد اللہ کلیم، ڈاکٹر: اُردو غزل کی تہذیبی و فکری بنیادیں، لاہور: الوقار پبلی کیشنز، ۲۰۰۵ء، جلد اول، ص ۱۷۴۔

2- ایضاً، ص ۱۹۶، ۱۹۷۔

3- حسن شوقی، دیوانِ حسن شوقی، مرتبہ: ڈاکٹر جمیل جالبی، کراچی: انجمن ترقی اُردو پاکستان، اشاعت اول، ۱۹۷۱ء، ص ۱۵۳۔

4- ایضاً، ص ۱۵۳۔

5- بحری، قاضی محمود، کلیاتِ بحری، مرتبہ: ڈاکٹر محمد حفیظ، لکھنؤ: مطبع منشی نول کشور، سنہ اشاعت بحوالہ پیش لفظ محمد نعیم الرحمٰن ۱۴ مئی ۱۹۳۸، ص ۱۷۲۔

6- معظم بیجاپوری، محمد حسینی معظم قادری، کلام معظم بیجاپوری، بہ تصحیح و تقدیم ابوالنصر محمد خالدی، حیدر آباد دکن: ادارہ ادبیات اُردو، نیشنل فائن پرنٹنگ پریس، لاہور، بار اول، مئی ۱۹۸۰ء، ص ۵۲۔

7- فیض دکنی، فیض سخن (انتخاب کلام میر شمس الدین محمد فیض)، مرتبہ: ڈاکٹر محی الدین قادری زور، حیدر آباد دکن: شمس المطابع شین پریس، بار اول ۱۹۳۷ء، ص ۴۶۔

8- غواصی، کلیاتِ غواصی، مرتبہ پروفیسر محمد بن عمر، حیدر آباد دکن: ادارہ ادبیات اُردو، ۱۹۵۹ء، ص ۱۵۵۔

9- انور سدید، ڈاکٹر: اُردو ادب کی مختصر تاریخ، لاہور: عزیز بک ڈپو، طبع سوم ۱۹۹۸ء، ص ۱۱۲۔

10- قلی قطب شاہ، محمد قلی قطب: کلیات محمد قلی قطب شاہ، مرتبہ ڈاکٹر سیدہ جعفر، نئی دہلی: ترقی اُردو بیورو، ۱۹۸۵ء، ص ۴۳۔

11- قلی قطب شاہ، محمد قلی قطب: کلیات محمد قلی قطب شاہ، مرتبہ ڈاکٹر سیدہ جعفر، نئی دہلی: ترقی اُردو بیورو، ۱۹۸۵ء، ص ۴۹۲۔

12- ایضاً، ص ۵۰۲۔

ISSN Online: 2709-7625

ISSN Print: 2709-7617

13- ایضاً، ص۵۳۳۔

14- ایضاً، ص۶۸۷۔

15- ایضاً، ص۶۴۷۔

16- ایضاً، ص۶۴۲۔

17- ولی دکنی: کلیاتِ ولی دکنی، مرتبہ ڈاکٹر نورالحسن ہاشمی، لاہور: الوقار پبلی کیشنز، اشاعت ۱۹۹۶ء، ص ۳۸۸۔

18- ایضاً، ص ۷۷۔

19- ایضاً، ص ۱۸۳۔

20- سعداللہ کلیم، ڈاکٹر: اُردو غزل کی تہذیبی و فکری بنیادیں، لاہور: الوقار پبلی کیشنز، ۲۰۰۵ء، جلد اول، ص ۲۴۳۔

21- ولی دکنی: کلیاتِ ولی دکنی، مرتبہ ڈاکٹر نورالحسن ہاشمی، لاہور: الوقار پبلی کیشنز، اشاعت ۱۹۹۶ء، ص ۷۷۔

22- ایضاً، ص۷۷۔

23- ایضاً، ص۱۶۱۔

24- ایضاً، ص۳۸۸۔

25- ایضاً، ص۳۹۴۔

26- عبداللہ، سید: "جمال دوست اسلوب پرست ولی"، مضمون مشمولہ ولی: تحقیقی و تنقیدی مطالعہ، مرتبہ: ڈاکٹر محمد خان اشرف، لاہور: الوقار پبلی کیشنز، ۲۰۰۳ء، ص۵۶۔

27- رام بابو سکسینہ، ڈاکٹر: تاریخ ادب اُردو، مترجم: مرزا محمد عسکری، لاہور: علمی بک ہاؤس، ۱۹۸۴ء، ص۲۹۔

28- فرمان فتح پوری، ڈاکٹر: "غزل اُردو کی شعری روایت" مضمون مشمولہ اُردو غزل کا معمار اول، لاہور: الوقار پبلی کیشنز، ۲۰۰۴ء، ص۲۸۔

29- انور سدید، ڈاکٹر: اُردو ادب کی مختصر تاریخ، لاہور: عزیز بک ڈپو، طبع سوم ۱۹۹۸ء، ص۱۳۵۔

30- سراج اورنگ آبادی: کلیاتِ سراج، نئی دہلی: ترقی اُردو بیورو، اشاعت ۱۹۸۲ء، ص ۴۶۴۔

31- ایضاً، ص۵۶۶۔

32- ایضاً، ص ۵۳۲۔

33- سراج اورنگ آبادی: کلیاتِ سراج، نئی دہلی: ترقی اُردو بیورو، اشاعت ۱۹۸۲ء، ص۶۱۷۔

34- ایضاً، ص۴۴۰۔

35- ایضاً، ص۲۷۹۔

36- شاہ قاسم اورنگ آبادی، دیوان قاسم، مرتبہ: محمد سخاوت مرزا، کراچی: انجمن ترقی اُردو پاکستان، اشاعت ۱۹۷۵ء، ص۳۸۔

37- شاہ قاسم اورنگ آبادی، دیوان قاسم، مرتبہ: محمد سخاوت مرزا، کراچی: انجمن ترقی اُردو پاکستان، اشاعت ۱۹۷۵ء، ص ۳۰۔

38- ایضاً، ص۸۳۔

39- داؤد، اورنگ آبادی (۱۱۰۰ھ تا ۱۱۶۸ھ)، دیوانِ داؤد اورنگ آبادی، مرتبہ: خالدہ بیگم ایم اے، حیدر آباد دکن: نیشنل فائن پرنٹنگ پریس، ۱۹۵۸ء، ص۹۔

40- ایضاً، ص۶۹۔

41- شاہ تراب علی: دیوان تراب، مرتبہ ڈاکٹر سلطانہ بخش، کراچی: انجمن ترقی اُردو پاکستان، ۱۹۸۲ء، ص۴۶۸۔

42- شاہ تراب علی: دیوان تراب، مرتبہ ڈاکٹر سلطانہ بخش، کراچی: انجمن ترقی اُردو پاکستان، ۱۹۸۲ء، ص ۳۱۰۔

43- ایضاً، ص ۳۱۰۔

44- ایضاً، ص۲۳۵۔

ISSN Online: 2709-7625

ISSN Print: 2709-7617

Vol.4 No.4 2021

45- ایضاً،ص۱۲۲۔

46- ایضاً،ص۲۰۶۔

47- ایضاً،ص۴۸۳۔